مسلم خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد

R No. 2416/57

L/W NP58

April. 1989

Monthly RIZWAN

LUCKNOW.

اس شمع کو روشن رکھیے!

از حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

مسلم خواتین اور لڑکیوں کے لیے ایک ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جو ان کے دل و دماغ کے لیے صحیح دینی غذا مہیا کرے، ان کے سامنے نیک بیویوں اور باخدا عورتوں کی زندگی کے نمونے اور کارنامے پیش کرے اور مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کو ان کا بھولا ہوا سبق اور زندگی کا وہ رخ یاد دلاتا رہے جو نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔

اس ضرورت کو محسوس کرکے دسمبر ۱۹۵۹ء سے رسالہ "رضوان" جاری کیا گیا۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ اپنے محدود دائرہ میں رہ کر بڑا مفید کام انجام دے رہا ہے۔ اس کے پڑھنے سے بہت سی عورتوں نے اپنی غلط زندگی سے توبہ کی اور اپنے بچوں بچیوں کی دینی و اخلاقی تعلیم کا انتظام کیا۔

مجھے اپنے سب دوستوں اور ان تمام لوگوں سے امید ہے جن کے دلوں میں دین کا درد اور اپنی بہنوں اور بچیوں کے اخلاق اور دینی رجحان کی فکر ہے کہ وہ اس رسالہ کو جاری کریں گے اور برابر جاری رکھیں گے۔ نیز اس کی توسیع اشاعت کے سلسلے میں مسلسل کوشش کرتے رہیں گے۔ ایسے ہمدردوں کی کوشش سے اس رسالہ کو برابر نئی زندگی اور تازگی ملتی رہے گی اور دین و اخلاق کی آواز مسلمان گھرانوں میں پہونچتی رہے گی اور اخلاق و پاکدامنی کی یہ شمع بجھنے نہ پائے گی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

سالانہ چندہ: برائے ہندستان 35 ۔ برائے ممالک غیر ہوائی ڈاک:

دفتر ماہنامہ رضوان ۱۶۳/۵۲ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (انڈیا)

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رِضوان

لکھنؤ

جلد : ۴۳
شمارہ : ۶

قیمت ۳/ روپے

جون ۱۹۸۹ء

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

اُمامہ حسنی
میمونہ حسنی
اِسحاق حُسینی

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان :
۳۵ روپے
برائے بیرونی ممالک :
ہوائی ڈاک سے ۱۷۵ روپے
رجسٹری ۱۰۰ روپے
فی پرچہ :
۳ روپے پچاس پیسے

دفتر :
ماہنامہ رِضوان
۱۷۲/۵۴ محمد علی لین، گوئن روڈ
لکھنؤ (انڈیا) ۲۲۶۰۱۸

فہرست مضامین

اپنی بہنوں سے	مدیر	۳
کتاب ہدایت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ	۵
حدیث کی روشنی	امۃ اللہ تسنیم	۷
حمد	ام ہانی	۹
عورت کا مقام	رخشندہ جبیں	۱۰
صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا عبد السلام ندوی	۱۷
کچھ دیر ملتزم پر	مولانا محمد ثانی حسنی (مرحوم)	۲۷
زبان	مولانا محمد اسحاق سندیلوی	۳۰
نعت	ام ہانی	۳۸
جلال آباد شہر فتح کے قریب	عبد الحمید عباسی	۴۴

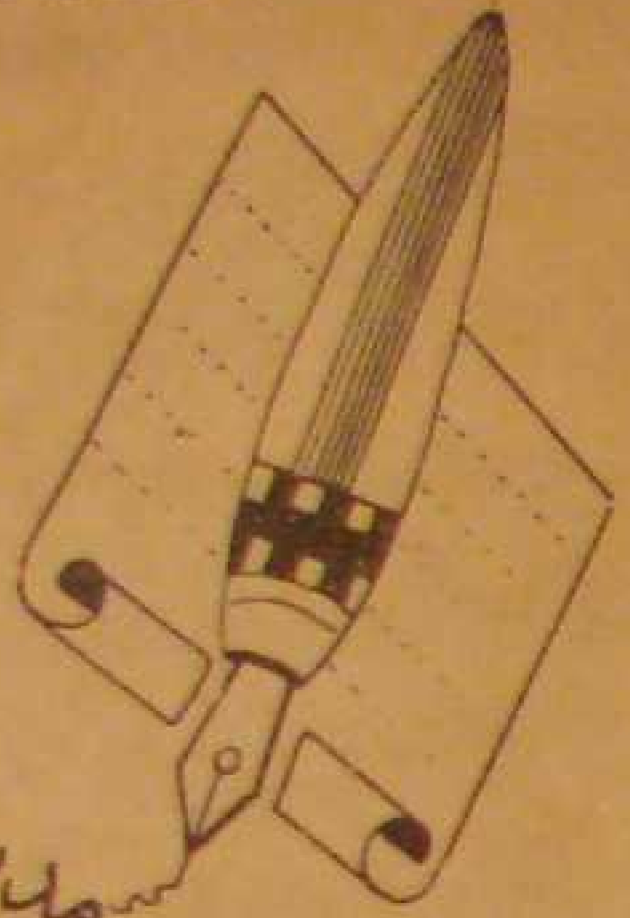

اپنی بہنوں سے

— مدیر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت مسلمہ پر جو خاص انعامات کیے ہیں ان میں سے ایک بڑا انعام حج ہے۔ جو سال بھر میں صرف ایک بار آتا ہے۔ اگر اس کو اس کے سنن وواجبات کے ساتھ صحیح طریقہ سے اور اس کے منہیات اور فسوق ومعاصی سے پورے طور پر اجتناب کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو وہ اس حال میں لوٹتا ہے کہ مالک حقیقی اس کے سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اسی وقت اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔

اور سرور کائنات سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ" ترجمہ: نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ حج مبرور کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی معصیت نہ کی گئی ہو اور اس کے سارے آداب وشرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اور حج مبرور کو حج مقبول سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ایک طرف جہاں حاجی کے لیے یہ بشارتیں ہیں تو دوسری طرف ایسے شخص کے لیے جو حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج کو نہ جا سکے اس کے لیے بڑی وعیدیں ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

اس فریضہ میں مرد و زن میں فرق نہیں ہے۔ جیسے یہ مردوں کے لیے فرض ہے ویسا ہی خواتین کے لیے فرض ہے لیکن صاحب استطاعت ہو اس لیے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا"۔

جہاد فی سبیل اللہ جو افضل ترین فریضہ ہے خواتین اس سے محروم رہا کرتی ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا جہادکن الحج "تمہارا جہاد حج ہے"۔

یہ جاننا چاہیے کہ حج کا حقیقی ثواب اسی وقت حاصل ہوگا جب اس فریضہ کو اخلاص کامل کے ساتھ ادا کیا جائے۔ معاصی اور سیئات سے لغزشوں اور کوتاہیوں سے محفوظ رہا جائے، اور حج کے سارے آداب و شرائط کا پورا لحاظ رکھا جائے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے خالص اسی لیے جایا جائے کوئی اور مقصد نہ ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے خوب دعائیں کرے اور نوافل و دیگر مستحبات میں بھی کوتاہیاں نہ کرے۔

ذرا زمانۂ حال پر نظر ڈالیے تو دیکھیں گے کہ حج کے لیے سفر اس واسطہ کیا جا رہا ہے کہ اخروی منفعت کے بجائے دنیوی منفعت حاصل کی جائے کہ اغنیاء تجارت کا فائدہ حاصل کر رہے ہیں اور متوسط درجے کے حضرات کا مقصد بھی دولت و ثروت کا حصول ہوتا ہے، اور مفلسین و فقراء کی اصل غرض بھیک مانگنا ہی ہوتی ہے۔ اور جن کے سامنے یہ مقاصد ہلکہ نہیں بھی ہوتے، تو وہ اپنے کو اس طرح ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں ڈالتے ہیں کہ وہاں سے ٹیلی ویژن، ویڈیو اور دوسری فضولیات اور عیش و عشرت کے دیگر سامان لاکر حاجی کا لقب پاکر خوشیاں مناتے ہیں، تو ایسوں کا حج، حج مبرور کیسے ہوگا اور ان کو حج کا حقیقی اجر و ثواب کیسے میسر آئے گا، تو یہ حج ان کو کیا نفع دے گا۔

کہ وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حج مبرور نصیب فرمائے۔ (آمین)

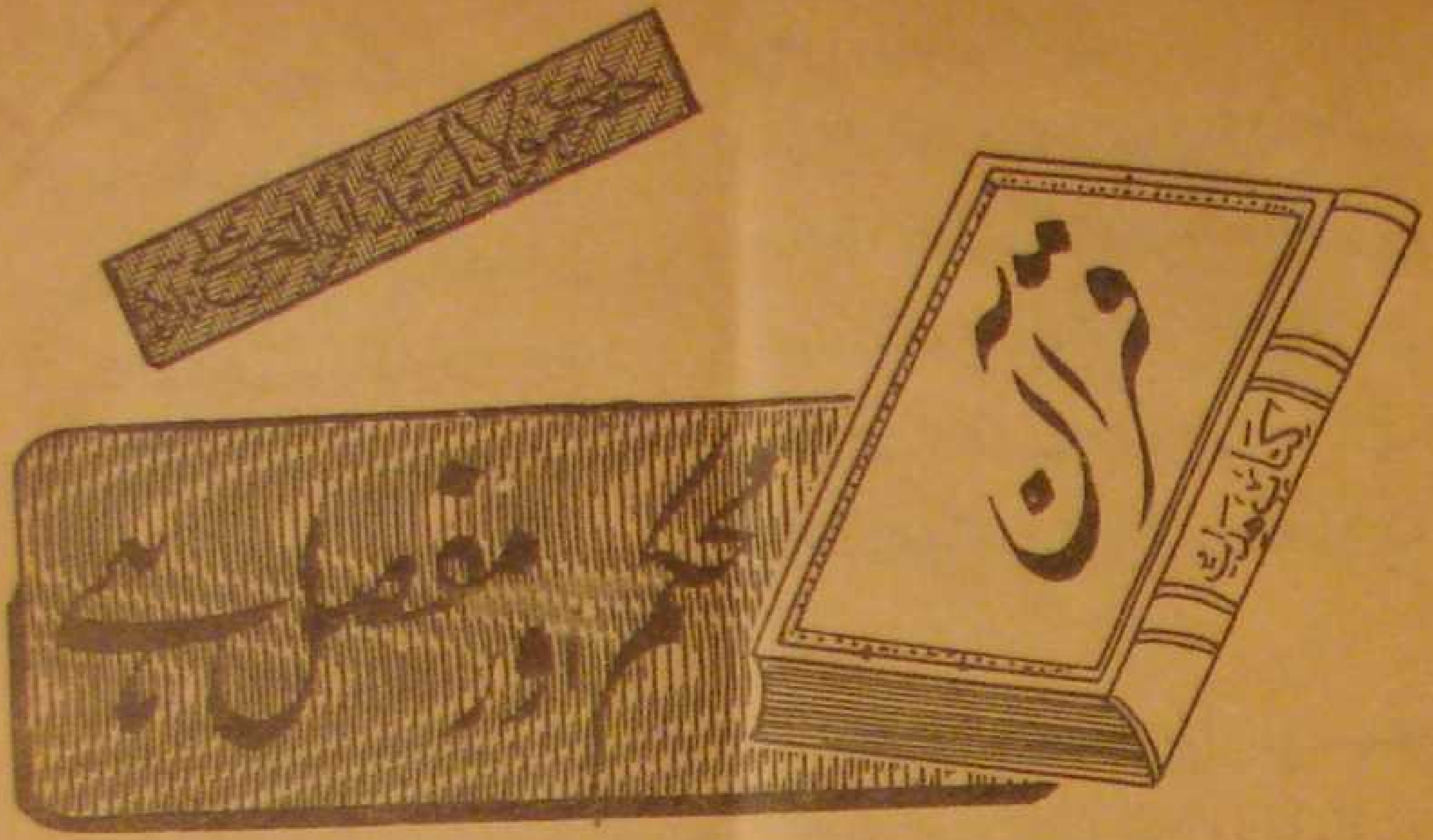

یعنی دین کے اصول و کلیات میں اور اس علم میں جو انسان کی نجات اخروی اور فلاح دنیوی کے لیے ضروری ہے، وہ نہایت واضح و متعین اور غیر محتمل و مفصل ہے۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (الانعام - ع - ۱۴)

کیا میں خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر الکتاب نازل کی، جو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے والی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الاعراف - ع - ۶)

اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچادی ہے جس کو علم و دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کردیا ہے (اور) وہ مومن لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

الف۔ لام۔ را، یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے

بہ تفصیل بیان کردی گئی ہیں۔

خَبِيرٍ ۝ (ھود۔ ع۔ ۱)

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(یونس۔ ع۔ ۴)

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گڑھ لائے، وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور کتاب اللہ کی تفسیر ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

لیکن اسلام میں دین کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے جو بہت سے اہل مذاہب نے اپنے مذہب کا قائم کرلیا ہے، یہاں انسان کے متعلق اصولی تخیل یہ ہے کہ وہ "عبد" (خدا کا بندہ ہے) اور وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ اور گوشہ میں بھی اس دائمی غلامی سے آزاد نہیں ہے، اس کا ہر کام یہاں تک کی بادشاہی (جو بظاہر غلامی کے منافی معلوم ہوئی ہے)، اس کی عبدیت ہی کا ایک مظہر ہے اس تخیل کے مطابق مذہب و سیاست کی تفریق کی بحث یہاں ہی نہیں ہوتی، اس "عبد" کو اس کے "مولیٰ" کی طرف سے قرآن کی صورت میں ایک کلی اور اصولی مکمل دستور العمل دیدیا گیا ہے، اس دستور العمل کی ہدایت میں "عبدیت" کی پوری زندگی کامیابی کے ساتھ گذاری جاسکتی ہے، اور اس کتاب کو کسی سیاسی ضمیمہ کی ضرورت نہیں۔

امۃ اللہ تسنیم

حدیث کی روشنی میں

محبوب ترین عمل

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا، میں نے کہا پھر؟ فرمایا والدین کے ساتھ بھلائی کرنا، میں نے کہا پھر؟ فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

والدین کے احسان کا صلہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکا اپنے باپ کو بدلہ نہیں دے سکتا، مگر اس طرح کہ باپ کو کسی کی غلامی میں پائے تو اس کو خرید کر آزاد کرے۔ (مسلم)

رشتہ داری کا خیال

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اور جس کا ایمان اللہ اور آخرت پر ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے، وہ بولے تو اچھی بات بولے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری و مسلم)

صلہ رحمی اور قطع رحمی :- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا جب اس سے فارغ ہوا تو رشتہ نے عرض کیا قطع رحمی سے پناہ مانگنے کی یہ جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں۔ کیا تو راضی ہے کہ جو تجھے جوڑے اسے میں جوڑوں اور تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں۔ رشتہ نے کہا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ تیرے لیے ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ (محمد - ۲۴)

کیا یہ ممکن ہے کہ جب تم کو حکومت اور موقع ملے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو۔ وہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان پر لعنت کی اور اندھا بہرا کیا۔

(بخاری و مسلم)

ماں کا حق اور فضیلت :- حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے۔ آپ نے فرمایا، تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا تمہاری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا تمہارے باپ۔ (بخاری و مسلم)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ میرے اچھے برتاؤ کا کون زیادہ مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تیری ماں، کہا پھر؟ فرمایا تیری ماں۔ کہا پھر؟ فرمایا جو سب سے زیادہ قریب ہو، جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

حمد

اُمِّ ہانی۔ لکھنؤ

ترے خیال سے غافل نہ دن نہ رات رہی
زباں پہ ذکر ترا دل میں تیری بات رہی

فضا میں گھور اندھیرا دلوں میں تاریکی
تری ہی روشنی ہر سمت شش جہات رہی

مری بساط ہی کیا؟ میری شاعری ہی کیا؟
ترے بیاں میں مگن ساری کائنات رہی

بلندیاں تو زمانے میں سیکڑوں دیکھیں
مگر بلند ہر اک شے سے تیری ذات رہی

قلعے بنا کے جو لشکر سجا کے نکلے تھے
تیری بساط پہ ہر چال ان کی مات رہی

جہاں میں خوش ہے کوئی مجھ سے کوئی ناخوش ہے
تری رضا ہی مگر باعث نجات رہی

میں آ کے وجد میں کیا کیا زباں سے کہتی گئی
مگر ہے باقی جو دل کی وہ واردات رہی

تری ثنا کے لیے دل دماغ حاضر ہے
چلی ہی آؤں گی محفل میں گر حیات رہی

بیان تیرا سدا ہی دوام رکھتا ہے
مگر جو ہستیٔ ہانی ہے بے ثبات رہی

عورت کا مقام

رخشندہ جبیں

سماج میں عورت کی حیثیت کیا ہو؟ مرد و عورت کے تعلقات اور اس کی باہمی سطح کیا ہونی چاہیئے؟ یہ سوال کسی نہ کسی شکل میں انسانی ذہن کو جھنجھوڑتا رہا ہے لیکن مسئلہ تاحال اپنی جگہ پر ہے۔

زمانہ قدیم میں عورت کو ایک پالتو جانور سے زیادہ حیثیت حاصل نہ تھی حالانکہ یہ بات اسوقت بھی قابل فراموش نہ تھی کہ نسل انسانی کو برقرار رکھنے اور فروغ دینے میں اس کا اہم رول ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ مرد کے مدمقابل کھڑے ہونے کی مستحق نہ تھی۔

یونان اور روم جیسے ممالک میں جہاں کی تہذیب زمانہ قدیم سے ہی مثالی ہے عورت کا تصور اسطرح پیش کیا ہے۔

"آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے"

یونان کے بعد جس قوم کو دنیا میں فروغ نصیب ہوا وہ اہل روم تھے یہاں پھر وہی افراط و تفریط کا سلسلہ نظر آتا ہے۔

نصرانیت کا شمار دنیا کے ان مذاہب میں ہوتا ہے جنھوں نے صرف چند حقائق و نظریات ہی پیش نہیں کئے بلکہ ان کی بنیاد پر زندگی کے عملی مسائل پر بھی تفصیلی بحث کی ہے ایسے مذہب نے بھی ہمارے سامنے یہ تصور پیش کیا ہے کہ مرد نیک سرشت اور نیک کردار ہے اور عورت بدنیت اور گنہگار ہے

دراصل مغرب نے بھی عورت کو مساوات کا درجہ عورت سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ یہ مقام مرد بنا کر دیا ہے ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت بدی کی جڑ ہے مرد کے لئے مصیبت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے اس کو دائما کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیئے کیوں کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کے لئے مصیبت اور لعنت لائی ہے۔

ترتولیان :- جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا عورت کے بارے میں مسیحیت کی ترجمانی اس طرح کرتا ہے۔

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لیجانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، خدا کی معتوبہ، مرد کو غارت کرنے والی۔

ہندو مذہب کا نظریہ بھی عورت کے لئے کچھ زیادہ بہتر نظر نہیں آتا منوراج نے عورت کے بارے میں لکھا ہے۔

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔

یہاں بھی عورت کو غلامی اور محکومی سے نجات نہیں ملی۔

منوسمرتی جس کی تعلیمات ایک عرصہ تک حکومت کا دستور عمل رہی ہیں۔ وہ عورت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔

(۱) جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی۔ یہ عورت کے جبلی عیب ہیں۔

(۲) آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔

فارسی کے مشہور شاعر حکیم فردوسی نے اس معاشرے کی عکاسی اس طرح کی ہے۔

زن و اژدہا ہر دو در خاک بہ

جہاں پاک ازیں ہر دو ناپاک بہ

[عورت اور اژدہا دونوں زمین کے اندر ہوں تو بہتر ہے]

ایام جاہلیت میں عرب میں عورت کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا وہ زندہ رہنے کی مستحق بھی نہ تھی۔

وقت نے کروٹ بدلی اور زمانہ نیند سے بیدار ہوا مارچ ۱۸۹۹ء میں Liberation of women کا نعرہ بلند ہوا اور نتیجتاً عورت کو معاشرے کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا۔

سب سے پہلے عورت نے مغربی ممالک میں "نجات" یعنی حصول حقائق کے لئے احتجاج کیا۔ اس نے دنیا کے ہر کام میں حصہ لینے کا قصد کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام ہونے کے سبب انھوں نے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو بھی کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ محنت سے پیسہ کما کر عورت میں اعتماد پیدا ہوا اور وہ معاشی دوڑ میں حصہ لینے لگی اور اس نے مرد کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اسی دوران وہ معاشرے میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کے بجائے اپنی راہوں سے بھٹک گئی اور صنفی مساوات کا نعرہ بلند کرنے میں مصروف ہو گئی چنانچہ صدیوں کے ظلم سہہ جانے کے بعد جب عورت بیدار ہوئی تو وہ بھی اس طرح کہ اپنے عورت پن یعنی نسوانیت سے ہی دست بردار ہو گئی۔

عورت نے کام کرنے کا حق طلب کیا، اس کو ملا۔ وہ دفتروں اور کارخانوں میں بھی جانے لگی لیکن سماجی نظام کی وجہ سے اس کو یہ آزادی راس آئی۔

اس طرح جس وقت ہندوستان نے آزادی حاصل کی تو ہماری Constituent Assembly کے ممبران نے بھی اس بات پر غور کیا کہ ہندوستانی عورت نہایت پست ہے اس لئے اس کو اساسی دستور ہند اور حقوق بنیادی میں مقام دیا گیا۔ دستور اساسی ہند کا Art 14-15 مساوات کا نظریہ اس طرح پیش کرتا ہے۔

Equality Before the law and Equal Protection of the laws Act 14

The state shall not deny to any person equality before the law & equal protection of the law & within the territory of India.

یعنی سرزمین ہند میں قیام کرنے والا کوئی بھی شخص حق مساوات سے محروم نہ کیا جائے گا۔

Art 15 مساوات کا دوسرا نظریہ پیش کرتا ہے۔ No discrimination on the grounds of religion race caste and sex etc.

یعنی کوئی بھی شخص خواہ مرد ہو یا عورت اپنی ذات، برادری، مذہب اور جنس کی بنا پر حقوق مساوات سے

محروم نہ کیا جائے گا۔ ان آرٹیکل کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں آج کے اس ترقی پذیر دور میں بھی عورت کو زندہ جلا دیا جاتا ہے، آج بھی وہ غلامی اور پستی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ آج بھی باپ اپنی بیٹیوں کے گلے کاٹ کر داماد کے قدموں میں ڈال دیا کرتے ہیں لڑکیاں جہیز کے خوف سے خودکشی کر لیا کرتی ہیں نہ جانے کتنی مانگیں سونی رہ جاتی ہیں اور آج بھی نہ جانے کتنی "روپ کنور" اپنے پتی نہیں بلکہ پتا کی عزت و افلاس کی چتا پر جلا دی جاتی ہیں۔ یقیناً ایسے ملک میں عورت کے لئے مساوی حقوق کی بات ایک نہایت جرأت مندانہ قدم تھا۔

لیکن ہمیں غور اس بات پر کرنا ہے کہ اس مساوات کے معاملے میں ہم کس حد تک کامیاب ہیں اور جو مساوی تصور ہمارے یہاں پیش کیا گیا ہے وہ کس حد تک درست ہے۔

عورت وہ شے ہے جو سماج کا ایک حصہ ہی نہیں بلکہ پورے سماج کی معیار ہے۔ بچوں کو جنم دینے سے لیکر انکی پرورش، تعلیم و تربیت غرضکہ ان کو ایک مکمل انسان بنانے کی ذمہ داری عورت کے اوپر ہی ہے اگر ہم یہ کہیں کہ وہ سماج جیسے ایک بڑے درخت کی اپنے خون سے آبیاری کرتی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا لیکن آج بھی ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ کہ حقیقتاً ہمارے سماج میں عورت کے ساتھ کس قسم کا رویہ اختیار کیا جا رہا ہے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم آج بھی اس صدیوں پرانی تہذیب میں سانس لے رہے ہیں جس میں عورت کو ناقص العقل اور مار توڑ کر درست کئے جانے والی شئے یا رشیوں اور منیوں کی تپسیا کو بھنگ کرنے والی استری سمجھا جاتا تھا اور ایک بار پھر ہمیں یہی محسوس ہوتا ہے کہ

"پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم"

غور و فکر کا موضوع یہ ہے کہ عورت کی برابری ہمارے قانون میں کس قسم کی برابری ہے۔ برابری سے مراد یہاں برابر مواقع فراہم کرنے سے ہے اور ان کی (عورتوں) صلاحیتوں کو صحیح طور استعمال کرنے سے ہے یعنی وہ سماج کا کوئی کمزور جز نہیں بلکہ ایک اہم حصہ ہیں

یہاں پر ہمیں اپنے قوانین کی روشنی میں عورت کے مساوی حقوق کا تعین کرنا ہے وہ یہ کہ قانون نے عورت کو برابری کا درجہ ضرور دیا لیکن وہ اس کے افعال میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکا۔ اور کر بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ یہ قانون قدرت میں مداخلت ہے آج بھی عورت کے اوپر بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھی۔

کیا اس برابری کا مقصد یہ ہے کہ عورت کے وہ تمام حقوق چھین لئے جائیں جو سماج میں اس کے اہم ہونے

کی پہچان کراتے ہیں ۔

مساوات سے مراد مرد اور عورت کے مابین تعلقات میں خاندان اور کیریر کے بیچ توازن ہونا ہے اور حقوقِ مساوی سے مراد ہے کہ باعزت پیشوں میں عورت برابری سے کام کرنے کی مستحق ہے لیکن آج بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی عورت کی داستان اسی طرح قائم ہے۔ کیونکہ ہمارے خود غرض اور نفس پرست سماجی علمبردار اس کو اصل مقام دینے سے منکر ہیں ۔

قرآن کریم نے عورت کو مرد کے مقابل کھڑا کیا ہے لیکن عورت کے تحفّظ کی ذمّہ داری مرد کے سپرد کی ہے یہ حقیقت ہے کہ دونوں ہی اس موضوع کے دو الگ عنوان ہیں ۔ اس لئے ایک دوسرے کیواسطے دونوں کا تعاون ضروری ہے ۔

بہت سے ایسے مسائل بھی پیش آتے ہیں جس سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ عورت کی آزادی سماجی نقطۂ نظر سے اس کے لئے مضر ثابت ہوئی ہے ۔ آج عورت اگر نوکری کرتی ہے تو ایسا تو نہیں ہوتا کہ وہ گھر کی تمام ذمّہ داریوں سے سبکدوش ہو گئی ہے غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ذمّہ داریاں اب کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں لیکن اتنی زیادہ ذمّہ داریاں اٹھانے کے باوجود بھی وہ اپنے اصل مقام سے محروم ہے ۔

دوسرے پہلو پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ مرد کسی بھی وقت عورت پر جبر کر سکتا ہے جبر سے مراد یہاں یہ ہے کہ عورت کے ساتھ مرد جبراً احرام کاری کر سکتا ہے اور اس کی زندگی برباد کر سکتا ہے لیکن اس قسم کا کوئی ظلم عورت مرد کے ساتھ نہیں کر سکتی ۔ عورت کی برابری کا نعرہ بلند کرنے سے پہلے ہمیں اللہ کے نازل کردہ قانون کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے جو عورت کی جسمانی ساخت ، ذمّہ داریوں اور فطرت کے عین مطابق ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ۔ دونوں کو برابری کا درجہ عطا کیا ۔ دونوں پر ایک جیسے فرائض عائد کئے لیکن کچھ کام جن کو عورت اپنے جسم کی مخصوص بناوٹ کے سبب نہیں کر سکتی ۔ انکو مرد کے سپرد کیا ۔

اب ہم قرآن پاک کی روشنی میں دیکھیں گے کہ قانونِ قدرت نے عورت کو کس حد تک برابری کا درجہ عطا کیا ہے ۔

" اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ۔ پھر تمہاری قومیں برادریاں بنا دیں ، تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو ۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں

سب سے زیادہ پرہیزگار ہو ۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے ۔ " (الحجرات ۱۳)

ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایک صنف کی جانب رجوع نہیں کیا بلکہ "لوگو" سے مراد مرد اور عورت دونوں سے ہے اور ہمیں اس میں تفریق کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا کیونکہ قرآن کا پیغام مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مساوی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ " تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے " خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔

اسی طرح دوسری جگہ قرآن کریم میں ہم دیکھتے ہیں جس میں اللہ کا خطاب دونوں صنفوں سے ہے ۔

" مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں ۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں ، نماز قائم کرتے ہیں ، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ۔ "

(توبہ ۱۷)

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایک دوسرے کا رفیق بنایا ہے اس طرح مردوں اور عورتوں کو شانہ بشانہ کھڑا کر دیا ہے ۔

ایک دوسری سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

" میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنیوالے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے جنس ہو ۔ "

اس طرح اللہ تعالیٰ کی نظر میں دونوں ہی برابر ہیں ۔ دونوں ہی پر عمل کی پابندی عائد کی گئی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کا جنس بتا کر ہر طرح کے فرق کو مٹا دیا ہے ۔

مرد اور عورت کے مابین مساوات کا بہترین نمونہ ہمیں سورۂ نحل میں ملتا ہے ۔

" جس مرد اور عورت نے بھی نیک عمل کیا اگر وہ مومن ہے تو ہم ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہترین اعمال کا جنھیں وہ کرتے تھے ، اجر دیں گے ۔ " (سورۃ النحل)

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ؛

" میں تمہیں نازک آبگینوں (خواتین) کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں ۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو ان کے ساتھ عزت و تکریم سے رہنے والا ہو ۔ اور تم میں سے بدبخت وہ ہے جو ان کے ساتھ اہانت سے پیش آتا ہے ۔ "

ایک دوسری جگہ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

"دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔"

آنحضرتؐ کی اس حدیث سے بیوی کی قدر و قیمت کا علم ہوتا ہے۔

اسلام نے ماں کے قدموں میں جنت رکھ کر عورت کو ایک بلند و بالا مرتبہ عطا کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے بیوی کے روپ کو باعث تسکین قرار دیا

غرض کہ اسلام کے کسی گوشے میں عورت کو مساوی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا ہے اس کائنات میں عورت کی اہمیت اور افادیت کا ذکر اردو کے مشہور شاعر علامہ اقبالؒ نے اسطرح کیا ہے ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

اس طرح دنیا کا کوئی دانش ور عورت کی اہمیت اور عظمت سے انکار نہیں کر سکتا لیکن آزادیٔ نسواں کے نعرے بلند کرنے سے پہلے ہمیں قانونِ قدرت کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ عورت صنفِ نازک ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کائنات کو عطا کیا ہوا ایک بہترین تحفہ ہے اور اسکے تحفظ کی ذمّہ داری سماج پر ہے اور سماج کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ اسکی عظمت و عصمت اور وقار کا تحفظ کرے

یہ بات ناقابلِ فراموش ہے کہ عورت بھی اسی وقار اور تحفظ کی متمنی ہے اس کی مثال ہم آزادیٔ نسواں کی مشہور علمبردار بے۔ ٹی۔ فرئیڈن کی اس تحریر میں دیکھتے ہیں

"مرد ہمارے محبوب ہیں ہمارے ہمدرد ہمارے معاون ہیں، ہمارے دوست، ہمارے بھائی ہیں، ہمارے بیٹے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی ہمارے دشمن بھی ہیں۔ جو ہمارے دشمن ہیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا لیکن جو ہمارے ہمدرد و غمگسار ہیں ان کے ساتھ مل کر ایک ایسے سماج ایک ایسے ماحول ایک ایسے نظام کی صورت گری کرنی ہوگی جو سب کے لئے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رحمت ہو۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو تمام حقوق اس کی فطرت کے مطابق عطا کئے۔ اسلام نے عورت کو حقوق بھی دیئے ہیں اور تحفظ بھی کیا ہے۔ مساوی حقوق کی جو مثال ہمیں قرآن کریم اور احادیث نبی کریمؐ میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ جو قانون ہم کو قرآن کریم یعنی قانونِ الٰہی سے حاصل ہیں

(باقی صفحہ [illegible] پر)

صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسکین نوازی

صحابہ کرامؓ اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔[1] ان کے سامنے جب جب دسترخوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گذر ہو جاتا تو ان کے اہل و عیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اس کو نہ بلاتے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گذرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کر لیتے اور کہتے کہ "یہ لوگ اس کو بلاتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش نہیں، اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش ہے"۔

ایک بار ان کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی، آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی، ابھی دسترخوان چنا ہی گیا تھا کہ کانوں میں ایک مسکین کی صدا آئی، فرمایا اس کو دے دو" بیوی کو عذر ہوا، لیکن وہ اسی پر اصرار کرتے رہے، بالآخر مسکین کو ایک دینار دے کر راضی کر لیا گیا۔

ایک بار لوگوں نے ان کی بیوی کو ملامت کی کہ تم اچھی طرح ان کی خدمت نہیں کرتیں، بولیں کیا کروں، ان کے لیے جب کھانا تیار کیا جاتا ہے تو کسی مسکین کو ضرور شریک کر لیتے ہیں۔" چنانچہ اس کے انسداد کے لیے جو فقرا و مساکین ان کے راستے میں بیٹھتے تھے، انھوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب ان کے راستے میں نہ بیٹھو، وہ مسجد سے نماز پڑھ کے نکلے تو لوگوں کو گھر سے بلوا بھیجا، ان کی بیوی نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بلانے پر بھی نہ آنا، چنانچہ وہ لوگ نہ آئے، تو اس رات کو کھانا نہیں کھایا۔[2]

حضرت حارثہ بن النعمانؓ اندھے ہو گئے تھے، اس لیے اپنے مصلّٰی سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا، جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے۔ اور دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آ کر اس کو دیدیتے، گھر کے لوگوں نے کہا" ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں۔" بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا، بُری جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے"۔

[1] بخاری کتاب الاطعمہ، باب المؤمن یاکل فی معی واحد۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

ایک دن حضرت عائشہ روزے سے تھیں، اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا تو انھوں نے لونڈی سے کہا کہ وہ روٹی اس کو دے دو۔ اس نے کہا، افطار کس چیز سے کیجیے گا" بولیں "دے تو دو" شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا "لے کھا، یہ تیری روٹی سے بہتر ہے[1]۔

استعفاف

صحابۂ کرام اگرچہ مفلس اور نادار تھے، لیکن کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتے تھے، ایک بار چند صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی، شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی،

لاتسالوا الناس شیئاً — لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔

ان میں بعض لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ اگر راہ میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے تھے، لوگ کہتے کہ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا، ہم اٹھا دیتے" فرماتے، میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگو[2]۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ ضمانت کرے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کے لیے جنت کی ضمانت کرتا ہوں" آپ کے مولیٰ ثوبان بولے "میں یہ ضمانت کرتا ہوں" چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے[3]۔

ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپ سے سوال کیا، آپ نے ان کا سوال پورا کیا، پھر مانگا پھر دیا، پھر مانگا، پھر عنایت فرمایا، لیکن اس کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اے حکیم یہ مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے، جو شخص اس کو فیاض دلی کے ساتھ لیتا ہے، اس کو برکت نصیب ہوتی ہے۔ اور

[1] اصابہ تذکرہ حضرت حارثہ بن النعمانؓ۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔
[3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراہیۃ المسئلہ [4] مسند ابن حنبل ج ۱

جو شخص اس کو حرص وطمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہر حال بہتر ہے" حضرت حکیم بن حزام نے اسی وقت سے عہد کر لیا کہ اب تا دم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا، اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابوبکرؓ ان کو عطیہ دینے کے لیے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا، مگر انھوں نے رد کر دیا بالآخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "مسلمانو! گواہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے[1]"

حضرت مالک بن سنان سوال کو اس قدر موجب ننگ و عار سمجھتے تھے کہ ایک بار تین دن تک بھوکے رہے، لیکن کسی سے کچھ نہ مانگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ جس شخص کو عفیف المسالہ شخص کا دیکھنا منظور ہو وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے[2]۔

اصحاب صفہ اگرچہ ناداری کی وجہ سے دوسروں کے دست نگر تھے، تاہم الحاح ونجاحت کے ساتھ سوال کرنا ان کی شان سے بالکل بعید تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے اس مخصوص وصف امتیازی کو خاص طور پر سراہا ہے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ	جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہیں وہ
مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ	ان کی خودداری سے ان کو دولت مند سمجھتا
بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ	ہے۔ تم صرف ان کے بشرے سے ان کو پہچان
النَّاسَ إِلْحَافًا۔	سکتے ہو، وہ کسی سے گڑگڑا کر کچھ نہیں مانگتے

لوگوں کے سامنے غیروں سے مانگنا تو بڑی بات ہے، صحابۂ کرام کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے سب کے سامنے سوال کیا جائے، حضرت فاطمہ گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، شرم کے مارے واپس آگئیں[3]۔

اگر کبھی سوال کا موقع بھی آتا تو صحابۂ کرام شرم وحیا سے علانیہ سوال نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کراہیۃ المسئلہ۔ [2] ترمذی ابواب الزہد وبخاری کتاب الزکاۃ باب الاستعفاف عن المسئلہ
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنانؓ۔

حسن طلب سے کام لیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ اصحاب صفہ میں تھے، جن کا تمغۂ امتیاز صرف فقر و فاقہ تھا، ان کی حالت یہ تھی کہ بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل پڑے رہتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، لیکن کسی سے علانیہ کچھ نہیں مانگتے تھے، ایک روز شاہراہ عام پر بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا تو ان سے ایک آیت پوچھی، وہ گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، لیکن اس حسن طلب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی صاحب متوجہ ہوں اور اپنے ساتھ لیجا کر کھانا کھلائیں۔[1]

ایثار

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے، لیکن ایثار فیاضی کی اعلاترین قسم ہے، اور وہ صحابہ کرام میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کو عطیہ دیتے تھے، لیکن وہ یہ کہکر انکار کر دیتے تھے کہ یہ اس کو دیجیے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔[2]

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا، سوء اتفاق سے آپؐ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لیے آپ نے فرمایا "آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا؟ ایک انصاری یعنی حضرت ابوطلحہؓ نے کہا" میں یا رسول اللہ" چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے، بیوی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں" صرف بچوں کا کھانا ہے۔" بولے "بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ، جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، صبح کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ" رات خدا تمھارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا، اور یہ آیت نازل فرمائی۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ — وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں
كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[3] — گو وہ تنگدست ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے مخصوص جگہ رکھی تھی، لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان سے درخواست کی تو انھوں نے یہ تحفۂ جنت ان کو

[1] ترمذی ابواب الزہد ص۴۰۴۔ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب من اعطاہ اللہ شیئاً من غیر مسئلۃ ولا اشراف نفس وفی اموالہم حق للسائل والمحروم۔ [3] مسلم کتاب الاشربۃ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ۔

دیدیا اور فرمایا:

کنت اریدہ لنفسی ولأوثرن — میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا
بہ الیوم علی نفسی[1] — لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت سہیل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے، اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، بولے "پہلے ان کو پلاؤ"، حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت حارثؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے بولے "ان کو پلاؤ" بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔[2]

فیاضی

اگرچہ صحابہ کرامؓ کے تمام اخلاقی محاسن نے اسلام کو تقویت دی، لیکن سب سے زیادہ اسلام کو صحابہؓ کی فیاضی سے رسوخ و ثبات حاصل ہوا، مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غربت کدہ تھا، لیکن انصار کی فیاضی نے آپؐ کو اپنی آنکھوں میں جگہ دی، مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا، اور بعض شرائط کے ساتھ اپنی نخلستان کی پیداوار میں ان کو شریک کر لیا۔[3]

حضرت بن الربیعؓ نے جائداد کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنی ایک بیوی بھی دینا چاہی لیکن انھوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان استغناء نے اگرچہ انصار سے خدا کے گھر کے لیے بھی زمین مانگی تو قیمت دینا چاہی، لیکن انصار کی فیاضی نے اس کا معاوضہ صرف خدا سے لینا چاہا اور نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کہا،

لانطلب ثمنہ الا الی اللہ[5] — ہم اس کی قیمت صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔ [2] استیعاب تذکرۂ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل۔ [3] بخاری کتاب المزارعۃ باب اذا قال اکفنی مؤنۃ النخل وغیرہ۔ [4] ایضاً کتاب المناقب باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ۔ [5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد۔

اسلام میں عمریٰ ایک خاص قسم کا ہبہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص عمر بھر کے لیے کسی پر کوئی چیز ہبہ کردے، مدینہ میں مہاجرین آئے تو انصار نے ہر قسم کی اعانت و امداد کے ساتھ مہاجرین کو بہت سی جائداد بطور عمریٰ کے دینی چاہی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔[1]

انصار میں حضرت سعد بن عبادہ فیاضی میں عام طور پر مشہور تھے، روزانہ ان کے قلعہ کے اوپر سے ایک آدمی پکارتا تاکہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کرواکے بھیجتے تھے، اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار ان ہی کی فیاضی پر تھا، چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہؓ ان میں سے ایک یا دو کو لیجاتے، لیکن وہ اسّی اسّی آدمیوں کو لے جاکر کھانا کھلاتے۔[2]

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی اصحاب صفہ کے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے، اور ان سے باتیں کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ بھی مساکین صفہ میں داخل تھے اس لیے ان کو ان کی فیاضی کا خاص تجربہ تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہؓ سے قرآن مجید کی وہ آیتیں پوچھا کرتا تھا جو مجھے ان سے زیادہ معلوم تھیں اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کھانا کھلائے، چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب سے پوچھنے کا اتفاق ہوتا تو پہلے گھر لے جاکر کھانا کھلاتے تھے اور پھر جواب دیتے تھے، بخاری کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں کو گھر میں لیجاکر سب کچھ کھلادیتے، یہاں تک کہ گھی کا خالی کپّہ پھاڑ ڈالتے اور ہم لوگ اس کو چاٹ لیتے تھے۔[3]

مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی تو اپنا کل مال جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار تھی نیک کاموں میں صرف کرنے کے لیے ساتھ لیتے گئے، ان کے والد ابو قحافہ گھر میں آئے تو کہا "تم لوگوں کو وہ مصیبت میں مبتلا کر کے چلا گیا، حضرت اسماءؓ نے ان کی تسکین کے لیے بہت سی کنکریاں جمع کر کے طاق میں رکھیں اور ان کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر کہا کہ ہاتھ سے ٹٹول لیجیے (وہ اندھے تھے) سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔[4]

---

[1] مسلم کتاب الفرائض باب العمریٰ، [2] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ [3] بخاری و ترمذی کتاب المناقب مناقب جعفر بن ابی طالب۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۵۰۔

مہاجرین میں حضرت عثمانؓ جس طرح بہت بڑے دولت مند تھے، بہت بڑے فیاض بھی تھے، عہد نبوت میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپؐ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا، مسجد کے متصل ایک قطعہ زمین تھا، جس کی نسبت آپؐ نے فرمایا کون اس کو خرید کر خدا کے حوالہ کرتا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسجد پر وقف کردیا، مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی، بیر رومہ کو خرید کر وقف عام فرمادیا غزوۂ تبوک میں ایک متمدن سلطنت کا مقابلہ تھا، اور صحابہ کرامؓ کے پاس سامان جہاد بہت کم تھا، انھوں نے تنہا نہایت فیاضی کے ساتھ تمام سامان مہیا کیا۔[1]

غزوۂ تبوک کے زمانہ میں آپؐ کی خدمت میں ہرقل کا قاصد آیا، چونکہ آپ عموماً قاصدوں سے لطف و مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے، اس لیے آپ نے معذرت کی کہ ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں، اگر ممکن ہوا تو ہم تمھیں صلہ دیں گے، حضرت عثمانؓ نے سنا تو پکارے کہ "میں صلہ دوں گا" چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلہ صفوریہ نکال کر اس کو دیا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ "کون اس کو اپنا مہمان بنائے گا؟" ایک انصاری نے کہا میں اس کے لیے حاضر ہوں۔[2]"

تقویت اسلام کے علاوہ ذاتی طور پر بھی صحابہ کرام کی فیاضیوں کا دریا عموماً بہتا رہتا تھا، حضرت مقدام ایک صحابی تھے، وہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے صرف ان کو مالی عطیہ دیا، لیکن انھوں نے اپنے تمام رفقاء پر برابر برابر تقسیم کردیا، حضرت امیر معاویہؓ نے کہا خدا کی قسم مقدامؓ ایک فیاض شخص ہیں۔[3]

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے، غزوات میں انصار کا عَلَم ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا، اور وہ اس عزت کو اپنی فیاضی سے قائم رکھتے تھے، ایک غزوہ میں وہ قرض لیکر فوج کو کھانا کھلاتے تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس فوج میں شریک تھے۔ دونوں بزرگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کردیں گے، اس لیے ان کو روکنا چاہا، حضرت سعد کو معلوم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوکر کہا کہ مجھے ابن قحافہ اور ابن خطاب سے کون بچائے گا؟ میرے بیٹے کو یہ بخیل بنانا چاہتے ہیں۔[4]" ان کی فیاضی ہیں

---

[1] نسائی کتاب الجہاد فضل من جہز غازیا۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۴۴۲، [3] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی جلود والنمور۔ [4] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵، تذکرہ حضرت قیس بن سعدؓ۔

تک محدود نہ تھی بلکہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا وہ جہاں جاتے تھے اس میں ایک آدمی گوشت اور مالیدہ بھر کے لے چلتا تھا اور پکارتا جاتا تھا کہ ھلموا الی اللحم والثرید یعنی آؤ اور گوشت مالیدہ کھاؤ، ایک بار ایک بڑھیا نے ان سے کہا کہ "میرے گھر میں چوہے نہیں رہتے" بولے کیا خوب کنایہ ہے، اس کا گھر روٹی، گوشت، گھی اور کھجور سے بھر دو۔[1]

حضرت عدی حاتم طائی کے بیٹے تھے، ایک بار ان سے ایک شخص نے سو درہم مانگے تو بولے "حاتم کے بیٹے سے صرف سو درہم مانگتا ہے، خدا کی قسم نہ دوں گا۔"[2]

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ میں آجاتا، اس کو صدقہ کر دیتی تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت کرنے کی قسم کھالی۔[3] حضرت اسماءؓ بھی اسی درجہ کی فیاض تھیں لیکن دونوں بہنوں کے طرز عمل میں اختلاف تھا، حضرت عائشہ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں، لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لیے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں، جو کچھ ملتا تھا روز کا روز صرف کر دیا کرتی تھیں۔[4]

ایک بار حضرت منکدرؓ بن عبداللہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بولیں کہ "تمہارا کوئی لڑکا ہے؟" انھوں نے کہا "نہیں" فرمایا "اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دیدیتی۔" حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً ان کے پاس دس ہزار درہم بھجوا دیے، انھوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خریدلی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔[5]

حضرت سعید بن عاص کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل سوال کرتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس کو دستاویز لکھدیتے کہ جب ہوگا تو دیا جائے گا، ہر جمعہ کو اپنے بھائی بند کو جمع کرتے ان کو کھانا کھلاتے، خلعت پہناتے اور ان کے گھروں پر صلے بھیجتے، ہر جمعرات کو کوفہ (وہ کوفہ کے گورنر تھے) کی مسجد میں غلام کے ہاتھ اشرفیوں کے توڑے بھیجتے کہ نمازیوں کے آگے رکھ آئے، اس بنا پر اس دن مسجد میں نمازیوں کا اژدحام ہو جاتا، مرتے وقت ان پر اسی ہزار اشرفیوں کا قرض تھا، بیٹے

[1] حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۹۵۔ [2] مسلم کتاب الایمان باب ندر من حلف یمیناً فرای غیرہا خیراً منہا ان یاتی الذی ہو خیر ویکفر عن یمینہ۔ [3] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش، [4] ادب المفرد باب السخاوت۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ

نے پوچھا "یہ قرض کیونکر ہوا" بولے کسی شریف کی حاجت روائی کی، کسی حیادار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دیدیا، اسی میں یہ قرض ہوا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آئے انھوں نے اس مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو دے دیا، یہاں تک کہ جب کل خرچ ہو چکا تو ایک شخص کو ان ہی سے قرض لے کر دے دیا، وہ اکثر روزے سے رہتے تھے، لیکن جب کوئی مہمان آجاتا تھا تو روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھلانا ان کو بہت پسند تھا، ان کے دسترخوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ بعض لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک بار ان کی خواہش سے مچھلی پکائی گئی، سامنے آئی تو ایک سائل آیا، انھوں نے اس کو اٹھا کر دے دیا، ایکبار بیمار پڑے، لوگوں نے ان کے لیے ایک درہم پر پانچ انگور خریدے سامنے سے سائل گذرا، انھوں نے اس کو دینا چاہا، لوگوں نے کہا کہ "ہم اس کو دیدیں گے" لیکن نہ مانے بالآخر لوگوں نے اس کو دے کر بعد کو اس سے پھر خرید لیا۔[2]

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن العاصؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

مدرسہ ام المومنین عائشہ للبنات رائے بریلی کی زیر تعمیر عمارت

روزوں میں
خاص طور پر اپنی صحت کا خیال رکھیے!
روح کی پاکیزگی کے ساتھ جسمانی قوت کو قائم رکھنا بھی لازمی ہے!
رمضان المبارک میں افطار و سحر کی غذائی بے اعتدالیوں کے سبب قبض، ضعفِ اعصاب، جسمانی خشکی، چڑچڑاپن اور تھکن وغیرہ جیسی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔
سنکارا
روزہ داروں کے لیے تغذیہ کی خرابی سے بچاؤ کا وسیلہ
سنکارا تمام لازمی بنیادی عناصر، جڑی بوٹیوں اور قدرتی وٹامنوں کا ایسا بے مثال ٹانک ہے، جو رمضان المبارک کی خصوصی عبادات اور ریاضات کے لیے بروقت آپ کو چاق چوبند بناتا ہے۔
تیزی کے ساتھ قوت کی بحالی کے لیے افطار کے وقت سنکارا ضرور لیجیے۔

عالمی ٹانک ہر موسم میں سب کے لیے
سنکارا
لازمی بنیادی عناصر، جڑی بوٹیوں اور قدرتی وٹامنوں کا نادر مرکب
ہمدرد

مولانا محمد ثانی حسنی (مرحوم)

کچھ دیر ملتزم پر

وہ جبین شوق اپنی وہ کسی کے پائے ناز
سجدہ ریزی کی لطافت اشک باری کے مزے

باب کعبہ سے حجر اسود تک دیوار کعبہ کا تقریباً دو ڈھائی گز چوڑا مختصر سا حصہ جو ملتزم کے نام سے مشہور ہے کون سا ایسا وقت ہے جو وہاں کوئی نہ کوئی نہ ہوتا ہو، طواف کرنے والوں نہ کرنے والوں کا مرجع اور جائے پناہ جسے دیکھو لپٹا ہے صرف لپٹا ہی نہیں اپنے سینے اور چہرہ کو چمٹائے ہاتھ پھیلائے بے چین و بے قرار، آہ و بکا میں مصروف کبھی اس پہلو کبھی اس پہلو کسی کل چین نہیں، بارگاہ الٰہی میں دعاؤں کی پیشی اور قبولیت دعا کی درخواست

اب درد جگر ہو کے نکلتا ہے دہن سے
وہ جوش جو برسوں مرے سینے میں نہاں تھا

یہ دعاؤں کی قبولیت کی خاص جگہ ہے یہاں دعا قبول نہ ہو گی تو کہاں ہو گی خدا کا پاک گھر اس گھر کا صرف ایک دروازہ ایک چوکھٹ، اس چوکھٹ پر دعا اَن سُنی کیسے ہو سکتی ہے، خدا اور خدا کے رسولؐ کا وعدہ ہے اور ان وعدوں پر یقین رکھنا عین ایمان، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں خود حضورؐ چمٹے اور بار بار چمٹے۔ صحابہ کرامؓ میں کون ایسا تھا جو نہ چمٹا ہو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ یہاں کھڑے ہوئے اور اپنے چہرہ اور سینہ کو دیوار سے لگایا، دونوں ہاتھوں کو دیوار پر پھیلایا اور فرمایا "میں نے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے"۔ ہر امت میں جس کو بھی حج نصیب ہوا یہاں چمٹا، رویا، بلبلایا خدا کے بندوں نے ہاتھ پھیلائے اور دل کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیئے۔

کون ایسا سخت دل ہے جو درد سے بھر نہ آئے، اختیار سے نہیں بے اختیار آنسو نکل پڑنا تعجب کی بات نہیں، ادھر لپٹا، دل بھر آیا آنکھیں اشکبار اور درد و غم کا سیلاب امنڈ آیا جذب و کیف کا ایک عالم ہے ؎

جلوؤں کو تیرے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے
آنکھوں میں اُتر آئے مرا کیف نظر بھی

تاثیر کا یہ عالم ہزار اضطراب ہو، بے چینی و بے کلی ہو، فکر و پریشانی ہو، آلام و مصائب سے دل چور چور ہو، یہاں پہنچا ایسا سکون ملا جیسے شیر خوار بچے کو اپنی ماں کی گود میں ملتا ہے، آیا، ہٹنے کو جی نہ چاہا، جی چاہتا ہے گھڑی دو گھڑی کی کیا حقیقت، ساری زندگی اسی شفقت و رحمت کی گود میں گزر جائے۔

اے کاش نہ ہم اٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا

جو جی میں آیا مانگا، دنیا مانگی، آخرت مانگی، اپنے لیے دوسروں کے لیے، ہٹنے کو کسی طرح جی نہیں چاہتا، لوگوں کا اصرار ہے ہٹو جگہ دو دوسروں کو بھی موقع دو مگر سننے کی کس کو فرصت، ہر طرف سے توجہ ہٹ کر ایک ہی مرکز پر مرکوز ہے، وہ ہے اور اس کا مولیٰ، کتنی مشکل سے در ہاتھ لگا ہے تو اتنی جلدی کیسے چھوڑ دے۔

مدتوں میں جس کے ہاتھ آئی ہو وہ
آستیں کیوں کر تمہاری چھوڑ دے

ہزار دقتوں اور مصیبتوں سے یہاں پہنچ ہوئی، نہ معلوم کہاں کہاں سر پٹکا جنگلوں اور بیابانوں میں بھی، متلاطم خیز سمندر پر بھی پہاڑوں اور میدانوں میں بھی، تپتی ہوئی ریت پر بھی سر جھکایا، مسجدوں کی محرابوں میں بھی التجا کی، ایسے وقت جب کہ ساری دنیا تھک تھکا کر بستر راحت پر تھی، چرند پرند اپنے اپنے گھونسلوں اور آشیانوں میں میٹھی نیند سو رہے تھے، تاریک اور خاموش رات کے آخری حصہ میں بھی خدا کے حضور دامن پھیلایا اور خدا کا شکر اور ہزار بار شکر ہے کہ آج کئی چیزیں جمع ہیں، اس کے گھر کی خاص چوکھٹ، رات کا پچھلا پہر کتنے خوش قسمت ہیں وہ جو اس نعمت عظمیٰ سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو یہ دولت ملی وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا اور ایسے عالم کیف و سرور کی سیر کرنے لگا کہ چند لمحوں کے لیے وہ دوسرے عالموں سے بے نیاز سا ہو گیا۔

دامنِ صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

اور جب ہٹے تو حسرت لیے ہوئے جیسے کچھ مانگا ہی نہیں، سیری نہ ہو سکی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی، زبانوں پر یہ الفاظ یارب البیت العتیق یارب البیت العتیق اعتق رقابنا انی عبدک وانی عبدک واقف تحت بابک ملتزم بیابک متذلل بین یدیک ارجو رحمتک واخشی عذابک

ترجمہ: اے بیت عتیق کے رب، اے بیت عتیق کے رب ہماری گردنوں کو آزاد کر، میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا لڑکا ہوں، تیرے در عالی پر کھڑا ہوں، تیری چوکھٹ کو تھامے ہوئے ہوں، تیرے سامنے ذلیل و خوار ہوں، تیری رحمت کا امیدوار ہوں اور تیرے عذاب سے خوف کھا رہا ہوں"۔

لرزاں ترساں جدا ہوئے لیکن اطمینان و سکون دل میں لیے ہوئے اور خدا کی بے پناہ شفقت و رحمت پر تکیہ کیے ہوئے اور اس یقین و اعتماد کے ساتھ دعا کرتے ہوئے:

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بے حد کا — الٰہی تجھ کو غفورٌ رّحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج — یہ ان کے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں

(وزیر)

مولانا محمد اسحاق سندیلوی

زبان

زبان دیکھنے میں ایک چھوٹی سی چیز ہے لیکن اس کے کام پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ کتنی بڑی چیز ہے اور ہماری زندگی پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہم عام طور پر اس کی طرف سے غفلت برتتے ہیں اور اسے آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ سوچیے تو سہی کہ اگر ہم اپنے پیروں کو بالکل آزاد کر دیں کہ وہ جہاں چاہیں بڑھیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا وہ کسی گڑھے میں ہمیں نہ گرا دیں گے؟ یا کسی بس یا موٹر کے نیچے ہمیں نہ کچلوا دیں گے؟ یاد رکھیے کہ زبان کی آزادی اس سے زائد نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یہ ہمیں دنیا میں فتنہ و فساد، بدنامی و ذلت، مصیبت و نکبت میں مبتلا کر سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت کے عذاب میں مبتلا کر سکتی ہے۔

لیکن زبان میں عیب ہی عیب نہیں ہیں بلکہ اس کے ہنر اور فائدے شاید اس کے عیبوں سے بڑھے ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیث میں اس کے عیب و ہنر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

"پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو خیر کے دروازے نہ بتادوں (وہ یہ ہیں) روزہ سپر ہے

صدقہ گناہ کی (آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اسی طرح رات کی نماز بھی گناہوں کو مٹاتی ہے چنانچہ آنحضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ تتجافی جنوبہم الآیۃ

آگے چل کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بعض اعمال کے فضائل بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔

"کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں جس سے ان سب کاموں پر قابو حاصل ہو جائے میں نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ﷺ۔ اس پر آنحضورؐ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا کہ اسے روکے رہو (یا اس پر قابو رکھو) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا زبانی باتوں پر بھی ہماری گرفت ہوگی ارشاد ہوا اے معاذؓ تعجب ہے تم اتنی بات نہیں سمجھتے لوگوں کو منھ یا ناک کے بل جہنم میں گرانے والی شے زبان نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اپنی زبان پر قابو حاصل کر لیں اور اس کی نگرانی رکھیں کہ وہ شریعت کے خلاف کبھی نہ چلے تو ہمارے سب اعمال کی اصلاح ہو جائے گی اور ہماری عبادتوں میں وہ خاصیتیں پیدا ہوں گی جو اسلام نے بتائی ہیں۔ ہماری نمازیں نور، صدقات گناہوں کی آگ بجھائیں گے، روزہ سپر بن کر شیطان کے وار سے اور عذاب قبر و جہنم سے بچائے گا۔

اور اگر ہم نے زبان کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد رکھا تو اس کا نتیجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ چھوٹی سی چیز ہمیں جہنم میں منھ کے بل گرا دے گی۔

اس حدیث کو سامنے رکھیے اور غور کیجیے کہ ہم زبان کے بارے میں کس قدر بے احتیاط ہیں خصوصیت کے ساتھ عورتیں تو اس بے احتیاطی میں مردوں سے بڑھی ہوئی ہیں زبان کا کون گناہ ہے جو ہم سے چھوٹ گیا ہو۔

جھوٹ بولنا تو گویا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی ممانعت ہے۔ ہمارے آقا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ہنسی مذاق کی اجازت دی ہے جس میں جھوٹ اور دل آزاری نہ ہو، جھوٹ کی ایک بدترین قسم افترا یا بہتان

باندھتا ہے یعنی کسی دوسرے کے متعلق کوئی جھوٹ بات کہہ دینا۔ عورتوں میں یہ عادت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک دوسری کے بارہ میں غلط سلط باتیں کہتی رہتی ہیں اور ایسی بری باتیں کہتی رہتی ہیں جن کی اس بیچاری کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

جھوٹ تو برا ہے ہی ہمارے پاک مذہب نے تو ہمیں بہت سی ایسی باتوں کو بھی زبان پر لانے سے منع کیا ہے جن کے کہنے سے کسی مسلمان بھائی یا بہن کی ذلت ہوتی ہو اور اس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ غیبت کا لفظ تو آپ نے سنا ہوگا۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی بہت سخت ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے والوں کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے کے مثل بتایا ہے۔ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی مسلمان بھائی یا بہن کا کوئی واقعی عیب اس کے پیٹھ پیچھے بیان کیا جائے۔ اگر بات سچ ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر جھوٹ ہو تو بہتان۔ افسوس ہے کہ اتنی سخت ممانعت کے باوجود غیبت کرنا ہماری عادت میں داخل ہے۔ خاص کر عورتیں تو اس کی اس قدر عادی ہوتی ہیں کہ جہاں بیٹھ جائیں وہاں اس قسم کے تذکروں کے علاوہ اور کچھ سنائی ہی نہ دے گا۔

بہتان اور غیبت سے بھی بڑھ کر زبان کا گناہ یہ ہے کہ آدمی شرک اور کفر کی باتیں زبان سے نکالے ایسی باتوں سے بعض اوقات سب اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، بعض صورتوں میں اس کی گنجائش بھی نہیں رہتی کہ کہنے والے کو مسلمان کہا جائے اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ابدی جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

جہالت کی وجہ سے بہت سے مرد اور بکثرت عورتیں زبان کی اس بیماری میں مبتلا ہیں، بہت دفعہ ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلتی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ جل شانہ یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اور کسی نبی یا فرشتے کی شان میں بے ادبی ہوتی ہے اور یہ سب باتیں کفر میں داخل ہیں مثلاً کسی مصیبت کے وقت بے صبر ہو کر اس قسم کی باتیں کہنا کہ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اوپر رحم نہ آیا۔ اس مصیبت کے لیے ہم ہی رہ گئے تھے، وغیرہ۔ اسی طرح نماز روزہ کا مذاق اڑانا

داڑھی پر پھبتیاں کسنا، شریعت کے کسی مسئلہ پر ہنسنا یا کہنا کہ ہم شرع ورع کو نہیں جانتے۔ عالموں اور بزرگوں کا حقارت کے ساتھ تذکرہ کرنا، ان کی وضع قطع کو ذلیل کہنا، اس قسم کی باتوں کی چند مثالیں ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی احکام کا بے عزتی کے ساتھ ذکر کرنا اور ان کی بڑائی کا خیال نہ کرنا، خواہ ایسی باتیں صرف زبان سے محض ہنسی میں کہی جائیں سخت گناہ بلکہ ایک طرح کا کفر ہے، سوچیے تو کہ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ سے مذاق میں بے ادبی کرتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی شریف آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ تو کیا اسلام کا درجہ ماں باپ کے برابر بھی نہیں؟

تعجب ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کی توہین تو گوارا نہ کریں اور اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول یا ملائکہ کی شان میں خود بے ادبی کریں، کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے مگر شرک ایک ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کا گناہ معاف نہیں فرماتے ہیں اس کے علاوہ دوسرے گناہوں میں سے جسے چاہتے ہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مشرکانہ اعتقاد سے تو منع ہی کیا ہے ایسی بات بھی زبان سے نکالنے کی ممانعت فرمائی ہے جس میں ذرا سی بھی بوئے شرک آتی ہو، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی کو شہنشاہ نہ کہو کیونکہ شہنشاہ یعنی سب بادشاہوں کے بادشاہ تو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہیں کسی دوسرے کے لیے یہ لقب سزاوار نہیں ہے۔

بچپن میں ایک وظیفہ کی کتاب میں "ناد علی" کے نام کی ایک دعا پر نظر پڑی تھی، اس وقت تو اسے کیا سمجھتے جب سمجھ میں آئی تو معلوم ہوا کہ اس کا مضمون سراسر مشرکانہ ہے، درحقیقت وہ شیعوں کی تصنیف ہے، میل جول کی وجہ سے وہ سنیوں میں بھی اس کا رواج ہو گیا ہے۔ اس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر

مصیبت کے وقت حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنؓ اور حسینؓ رضی اللہ عنہم
اجمعین کو پکارو وہ تمھیں نجات دیں گے گویا کہ معاذ اللہ یہ حضرات حاضر و ناظر
سمیع و علیم بھی ہیں کہ ہر ایک کی آواز سن لیتے ہیں اور قادر مطلق بھی ہیں کہ ہر مصیبت
و بلا کو دفع کر دیتے ہیں۔ اب آپ خود ہی بتائیے کہ یہ باتیں شرک میں داخل ہیں یا نہیں؟
اللہ تعالیٰ جل شانہ' جس طرح اپنی ذات میں یکتا و یگانہ ہیں اسی طرح اپنی ہر صفت
میں بھی یکتا و یگانہ ہیں، نہ ان کی ذات میں ان کا کوئی شریک ہے نہ کسی صفت میں،
انھوں نے اپنے اختیارات کسی کو سونپے بھی نہیں ہیں، نہ ان کا کوئی مختار اور قائم مقام
ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں جو مرتبہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ہے وہ دوسرے بندے کا نہیں ہے۔ اگر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنا اختیار
آنحضورؐ کو بھی نہیں دیا تو اور کسی کے متعلق ایسی بات کس طرح سمجھی جا سکتی ہے؟
"نادِ علی" تو لوگ بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہوں گے لیکن "یا علی" "یا حسین" کے نعرے
تو سمجھ بوجھ کر لگائے جاتے ہیں۔ اوپر کی سطریں پڑھنے کے بعد آپ خود سمجھ سکتی
ہیں کہ یہ نعرہ بالکل مشرکانہ ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی شخص کو بھی جو ہمارے
پاس موجود نہ ہو اس طرح پکارنا گناہ بلکہ ایک طرح کا شرک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے
علاوہ کسی دوسرے سے دعا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے شرک فرمایا گیا ہے،
یہاں تک کہ سید الاولین والآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دعا مانگنے کی ممانعت
ہے۔ اس لیے کہ آنحضورؐ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں اگرچہ سب بندوں سے افضل
ہیں لیکن افسوس مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا جا کر ان سے
دعائیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں۔ پھر اگر حکم الٰہی سے کام ہو جاتا ہے تو
کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے میرا یہ کام کر دیا حالانکہ کام حق تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے، اگر
اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو کوئی بزرگ، ولی یا نبی کچھ نہیں کر سکتا۔

بہت سے الفاظ ہماری زبان سے بعض اوقات اس طرح نکل جاتے ہیں کہ ہمیں

اس کے معنی کی طرف توجہ نہیں ہوتی مثلاً بعض شاعروں کو لوگ "خدائے سخن"، "خلاق
معانی" کہہ دیتے ہیں، اگرچہ کہنے والے کا اعتقاد ان کے مطابق نہیں ہوتا لیکن یہ الفاظ
بہر حال مشرکانہ ہیں، ان کے استعمال سے بچنا ضروری ہے، ایک مسلمان کے لیے کسی ایسے
لفظ کا زبان سے نکالنا جس سے بوئے شرک بھی آتی ہو کسی طرح مناسب نہیں۔

عربی زبان میں عشاء کے وقت کا ایک نام "عتمة" بھی تھا اور یہی کثرت سے استعمال
ہوتا تھا۔ قرآن مجید نے عشاء کے لفظ کو رواج دیا۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عشاء کے رواج پر زور دیا ہے کیونکہ یہ اسلامی لفظ
ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو روزمرہ کی بات چیت میں حتی الامکان انھیں
الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے جن سے اسلامیت کی خوشبو آتی ہو اور ان الفاظ سے
بچنا چاہیے جن سے شرک یا کسی گناہ کی طرف خیال جاتا ہو۔ بات یہ ہے کہ جب ہم
کوئی لفظ بولتے ہیں تو اس کے معنی کے ساتھ بہت سے اور خیالات بھی آتے ہیں جو اس
لفظ کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً جب ہم لفظ "گلاب" بولتے ہیں تو باغ یا چمن کا
خیال بھی اس کے ساتھ آجاتا ہے اور اس خیال سے دل کو فرحت بھی ہوتی ہے، جب
"کھانے" کا لفظ زبان سے نکالتے ہیں تو باورچی خانہ، پلیٹ، پتیلی، کفگیر، چمچہ وغیرہ کے
خیالات بھی بعض اوقات آجاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم کسی کو "سچائی کی دیوی" "انصاف کا
دیوتا" کے جیسے الفاظ سے یاد کریں تو شرک و بت پرستی کے خیالات بھی ان کے ساتھ
آئیں گے، اگرچہ ہمارا اعتقاد ان کے مطابق نہیں ہوتا اور خدانخواستہ محض ان الفاظ کا
بولنا شرک نہیں ہے مگر ایک مسلمان کی شان سے بعید ہے کہ وہ ایسے الفاظ استعمال
کرے جن سے شرک کی بو آتی ہو۔ اسی طرح کی ایک بات اور ہے جو مسلمانوں کے لیے بہت
باعث شرم ہے۔ دیکھیے کوئی شخص اپنے بیٹے، بیٹی کا نام گدھا یا گدھی نہیں رکھتا
کیوں؟ اس لیے کہ یہ ایک ذلیل جانور کا نام ہے۔ جب اس کا خیال کرتے ہیں تو
حماقت اور بیوقوفی کا خیال بھی دل میں آتا ہے مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج کل
بہت سے شریف مسلمان اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام فلم ایکٹروں اور فلم ایکٹرسوں

کے نام پر رکھتے ہیں۔ ناچنے گانے اور بھانڈوں کی طرح نقل کرنے کا پیشہ حد درجہ ذلیل پیشہ ہے، فلم ایکٹر اور ایکٹرسیں خواہ وہ دولت کی پوٹ ہوں مگر اسلامی سوسائٹی میں ذلت ہی کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔ سچ پوچھو تو وہ بعض حیثیتوں سے گدھے سے بھی بدتر ہیں، غرور تو نہ کرنا چاہیے کیونکہ خاتمہ کا علم اللہ ہی کو ہے، مگر ان لوگوں کی حالت کو ذلیل و حقیر سمجھنا بھی ضروری ہے' ان کے نام پر نام رکھنا کس قدر شرم کی بات ہے۔

زبان کا ایک گناہ اور یاد آیا جس کا بہت رواج ہے اور جس کا نتیجہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں فساد کا سبب بھی ہے اس کا نام چغل خوری ہے' بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کہتے پھرتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لگائی بجھائی کرنے والے پر عذاب قبر ہوتا ہے' قیامت کے بعد جو عذاب ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے یہ عادت عورتوں میں بہت ہوتی ہے۔ بعض یہ حرکت کرتی ہیں کہ اس طرح لگائی بجھائی کر کے میاں بیوی میں فساد کرانے کی کوشش کرتی ہیں' اس میں گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ دو مسلمانوں میں فساد و نفاق پیدا کرنے کی کوشش کرنا بہت سخت گناہ ہے۔ خاص کر میاں بیوی میں فساد ڈلوانے کی کوشش کرنا تو اور بھی بڑا گناہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہ عادت مسلمانوں میں خاص کر عورتوں میں بہت عام ہو چکی ہے اور اس کی بدولت نہ معلوم کتنے گھرانے تباہ ہو چکے ہیں یا ان کی زندگی تلخ ہو چکی ہے۔ بکثرت دیکھا جاتا ہے کہ ساس نندیں لگائی بجھائی کر کے بہو بیٹے اور بھائی بھابھی میں نفاق ڈلوانے کی کوشش کرتی ہیں اسی طرح بکثرت بہوئیں اس کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ شوہر کا دل ساس نندوں کی طرف سے ہٹا دیں' یہ سب باتیں بہت ہی خباثت کی ہیں ان کا گناہ اور عذاب اتنا ہے کہ اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ حق تعالیٰ سب مسلمان بھائی بہنوں کو اس گناہ عظیم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ علاوہ گناہ کے ان باتوں سے خاندانوں میں جو فساد ہوتا ہے اور جیسی جو تم پیزار ہوتی ہے وہ

خود بہت خوفناک ہے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جن کی زندگی اس عادت کی بدولت اجیرن ہو گئی ہے اور حسن معاشرت اور لطف زندگی سے بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

زبان کے گناہوں کو سمجھنے کے بعد یہ بھی سن لیجیے کہ زبان کس لیے پیدا کی گئی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے لیے بنایا ہے' ذکر' تلاوت اور اچھی باتیں جن سے اپنا یا دوسرے مسلمان کا دینی یا کوئی جائز دنیاوی فائدہ ہو' اپنے بھائی بہنوں کی دلجوئی' بری بات سے منع کرنا' اچھی بات کی تعلیم دینا یہ سب کام اللہ کی یاد میں شامل ہیں اور انھیں کے لیے زبان پیدا کی گئی ہے' ایسی زبان جو ان کاموں میں مشغول رہے اور گناہوں سے بچتی ہو انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔

فون آفس 82803
رہائش 83429
ٹیلی گرام خمیرہ
خمیرہ حقہ تمباکو
مینوفیکچرس اینڈ ایکسپورٹرس
آزاد بھارت تمباکو فیکٹری
نادان محل روڈ' لکھنؤ (انڈیا)
پارٹنر: حاجی محمد امتیاز خاں

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محمد حمزہ حسنی نے اسکائی لائن پرنٹرس جیاسئو میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ رضوان ۲/۵۴' محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نعت

از: ام ہانی لکھنؤ

تو بھی ہانی خواب کی تعبیر پا جائے گی آج
جب جبیں خاکِ مدینہ پر جھکا جائے گی آج

تیری فرقت میں بہت مدت رہی میں بے قرار
وہ گھڑی بھی آ گئی جو دل لبھا جائے گی آج

روضۂ انور کے سائے میں جو گزری ہر گھڑی
کتنے احساسات نازک تر جگا جائے گی آج

کیا کہوں کیا ہے نبیؐ کے آستاں کی حاضری
مجھکو تو فردوس کے جلوے دکھا جائے گی آج

گنبدِ خضرا کے جلووں کی ہر اک تاثیر اب
مجھکو جینے کا قرینہ بھی سکھا جائے گی آج

اے صبا طیبہ کی جیسے تو ہوائے سازگار
میری نیا پار طوفاں سے لگا جائے گی آج

تیرے در کی بھی گدائی دولت کونین ہے
جانفزا خِرد وہ ہانی کو سنا جائے گی آج

جنوں کے بارے میں کچھ معلومات

ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إنہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم
"بے شک وہ (یعنی شیطان) اور اس کا لشکر تم کو اس طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔" (سورۂ اعراف آیت ۲۷)

اسی آیت کو بنیاد بنا کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔ "جو دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا تو اس کی شہادت باطل ہے۔" (ماخوذ از فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۴)

علماء نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل یہ کی ہے کہ جنوں کو ان کی اصل حالت میں دیکھنے کا دعویٰ غلط ہے ورنہ صورت بدلنے پر دیکھنا ثابت ہے اس لیے کہ بہت سے لوگوں نے جنوں کو دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے، ان میں عوام بھی ہیں اور خواص بھی، لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صورت بدلی ہوئی ہو تو اس کی تصدیق کیسے ہو کہ جن ہے، اگر جن انسانی شکل میں ہو اور خود دعویٰ کرے کہ میں جن ہوں تو اس کی دلیل ضروری ہے مثلاً کمرہ کے اندر دیکھنا اور بند کمرہ میں غائب ہو جانا وغیرہ مگر اس میں وہم کا بھی اندیشہ ہے اور جھوٹ کا بھی جیسا کہ تجربہ ہے ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی اللہ کا ولی جن کو کسی شکل میں دیکھے اور پہچانے

کشف سے بیان کرے کہ یہ جن ہے، لیکن کشف کی معلومات بھی یقینی نہیں ظنی ہیں، ہاں وہ شکلیں
سب صحیح اور یقینی ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے کوئی شکل دیکھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر
کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن تھا یا شیطان تھا اس لیے کہ شیطان اگرچہ
ابلیس کے پیرو انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے لیکن عموماً مطلق "شیطان" کا لفظ شیطان جن ہی کے
لیے استعمال ہوتا ہے اور ایسے واقعات صحابہ کرام کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ عنہ نے ایک چور کو پکڑ کر چھوڑ دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان تھا،
حضرت عمار بن یاسر ایک شخص سے لڑ گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان تھا۔
ایک صحابیؓ نے ایک سانپ مار دیا تھا اس کے نتیجہ میں خود ان کی موت واقع ہو گئی تھی حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سانپ مسلمان جن تھا۔

ان واقعات سے بزرگوں نے یہ استنباط کیا کہ جنوں کو شکلیں بدلنے کا اختیار دیا
گیا ورنہ کسی آیت سے یا کسی صحیح مرفوع حدیث سے کسی نے نہیں ثابت کیا جس میں واضح طور
پر بتایا گیا ہو کہ جنوں کو صورت بدل لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

صورت بدلنے کے جو صحیح واقعات ہیں وہ شاذ و نادر ہیں اور ان کو معجزہ و کرامت سے بھی
تعبیر کیا جا سکتا ہے اس لیے میری تحقیق میں تمام جنوں کو صورت بدلنے کے عمومی اختیارات
نہیں ہیں۔ نبی کے زمانے میں ایسے واقعات نبی کا معجزہ ہوئے۔ کسی بزرگ کے ساتھ ایسا
واقعہ ہوا تو اس بزرگ کی کرامت تھی جس پر قیاس صحیح نہیں۔ دیکھیے نا غیبت کرنے والی
عورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کروائی تو اس نے گوشت کے لوتھڑے قے کیے
یہ غیبت کے گناہ کا معنوی گوشت ظاہری شکل میں آ گیا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔
پس یہ ممکن ہے کہ جس طرح فرشتہ کو اللہ تعالیٰ حکم دیں تو انسانی شکل میں سامنے آ جائے
اسی طرح جن کو حکم ہو تو انسانی شکل میں سامنے آ جائے یا خاص حالات میں شیطان
کو اختیار ہو کہ وہ انسانی شکل میں یا کسی اور شکل میں نظر آ جائے لیکن شکل بدلنے کے
عمومی اختیارات کی نہ کوئی دلیل ہے نہ مشاہدہ، میں نے تو اب تک عام طور سے مشاہدہ
کے مدعیوں کو جھوٹا پایا ہے، ہو سکتا ہے سچے مشاہدے والوں سے اب تک میری ملاقات

نہ ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور پھر سب فرشتوں کو ان کی
جانب سجدہ کرنے کا ذکر کئی جگہ آیا ہے جس میں ہے کہ سارے فرشتوں نے سجدہ کر لیا
مگر ابلیس نے انکار کر دیا، اس حکم عدولی کے سبب وہ مردود ہو گیا اور اس مجلس سے
نکال دیا گیا، پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی چھوٹ مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس
کو قیامت تک کی چھوٹ دے دی اس نے اولاد آدم کو ورغلانے اور بہکانے کی قسم
کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات کی بھی چھوٹ دے دی اور فرما دیا کہ میرے
خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میری نافرمانی کریں گے اور
تیری پیروی کریں گے تجھ کو اور ان سب کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ (دیکھیے سورہ بقرہ آیت ۳۴
تا ۳۹، سورہ اعراف آیت ۱۱ تا ۲۵، سورہ حجر آیت ۲۶ تا ۴۴، سورہ اسراء آیت ۶۱ تا ۶۵، سورہ
کہف آیت نمبر ۵۰، سورہ طہ آیت ۱۱۶ تا ۱۲۴، سورہ ص آیت ۷۱ تا ۸۵)

سورہ کہف آیت نمبر ۵۰ میں یہ بھی بتایا گیا ہے ابلیس جنوں میں سے تھا۔ لہذا
ابلیس جو شیطانوں کا جد امجد ہے اور جس کو قیامت تک زندہ رہنے اور انسانوں کو بہکانے
کی چھوٹ ہے، وہ اور اس کی اولاد نیز اس کے پیروکار سب قیامت تک کے لیے انسانوں
کو گمراہ کرنے کے مشن پر لگے ہوئے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان چاہتا
تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو چھوٹ دے دی، مگر ابلیس اور اس کے پیروکاروں
کو یہ چھوٹ نہیں دی کہ وہ زبردستی انسانوں کو گمراہی پر لگا دیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ:

"قیامت کے روز جب سارے مقدمات فیصل ہو چکے ہوں گے تو شیطان
(جواب میں) کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کیے تھے اور میں نے
بھی کچھ وعدے کیے تھے پس میں نے وعدہ خلافی کی اور مجھ کو تم پر کوئی قدرت
نہ تھی سوائے اس کے کہ تم کو بلایا تھا پس تم اپنے اختیار سے میری طرف
آ گئے پس تم خود اپنے کو لعنت ملامت کرو مجھے برا مت کہو۔"

(دیکھیے سورہ ابراہیم آیت نمبر ۲۲)

پس شیطان کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ وہ برائی کی دعوت دے لیکن چونکہ وہ خلقی اعتبار سے لطیف ترین ہے بلکہ سائنس کی تعریفات کے تحت غیر مادی ہے اور چونکہ اس کو تا قیامت انسانوں کے بہکانے پر چھوٹ ہے اس لیے وہ اس دعوت کے لیے جسم کے اندر داخل ہو کر دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، سورہ "الناس" میں اس کے وسوسہ کے شر سے بچنے کے لیے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے۔ (من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس (میں وسوسہ ڈالنے والے خناس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

نیز بخاری و مسلم میں آتا ہے کہ شیطان انسان کے اندر اس کے خون کے ساتھ دوڑتا ہے یعنی اندر داخل ہو کر وسوسہ ڈالتا ہے۔

اس سب کے باوجود اس سے بچنا اللہ تعالیٰ نے بہت آسان فرما دیا ہے فرمایا:

"اس کو ایمان والوں اور اللہ پر بھروسہ کرنے والوں پر قابو نہیں بلکہ اس کا تسلط اس پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ (دیکھیے سورۂ نحل آیت نمبر ۹۹)

پس ابلیس اور تمام شیاطین سے بچنے کا آسان نسخہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر بھروسہ ہے، اور اس کی پہچان شریعت کی پابندی یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اسی میں شیطان کے شر سے حفاظت ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور نجات ہے۔ سورۂ خلق، سورۂ ناس اور آیت الکرسی کی تلاوت اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے میں شیطان سے حفاظت کی ضمانت ہے۔ لیکن اگر ہم غافل ہوئے تو ہمارے ہر ہر کام میں شیطان شریک ہوگا اور ہمارے کھانے پینے، سونے جاگنے میں جو برکات ہیں ہماری اولاد اور ہمارے گھر میں اور ہماری چیزوں میں جو برکات ہیں سب کو وہ ہڑپ کر جائے گا اور ہم دنیا و آخرت کے خسارہ میں پڑ جائیں گے۔

قرآن و حدیث نے بار بار اعلان کیا ہے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے اس کی دشمنی کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ ہم کو گمراہ کر دے خدا کی پناہ! لیکن اس کو ہمارے دنیاوی نقصانات اور

جسمانی تکلیفات سے بھی دلچسپی ہے پس جب کسی انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے، کوئی مرض ہوتا ہے کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ فوراً وہاں پہنچ کر خوش ہوتا ہے اور انسان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور موت کے وقت تو انتہائی کوشش کرتا ہے کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو پس ان سارے مواقع پر انسان اگر ہوش و حواس رکھتا ہے تو وہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اس کے آس پاس بیٹھنے والے حضرات پر بھی لازم ہے کہ وہاں اللہ کا ذکر کریں اور اللہ سے اس کے لیے دعا کریں تاکہ شیطان مایوس ہو کر بھاگ کھڑا ہو مختلف امراض والوں کے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مریض کی شفا کی دعا مانگیں خواہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت الفاظ میں، یا اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں، مگر ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ شیطان کو کوئی مرض پیدا کر دینے کا قطعاً اختیار نہیں ہے مگر وہ کسی مریض کو چھوڑتا نہیں ہے، خاص طور سے مسلمان مریض کے مرض سے خوش ہوتا ہے اور مرض کی تکلیفات کو ذریعہ بنا کر وسوسے ڈالتا ہے۔ پس ہم کو بھی اپنے کسی مسلمان مریض کو چھوڑنا نہ چاہیے دوا علاج کے ساتھ ساتھ دعا اور ذکر و اذکار سے شیطان کو مایوس کر دینا چاہیے۔ اور خود مریض کو ہوش و حواس کی موجودگی تک نماز پابندی سے ادا کرنا چاہیے اور درود و دعا سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ بیماری کی حالت میں شیطان کے شر سے حفاظت کا یہی مسنون طریقہ ہے۔

عورت کا مقام ـــــــ صفحہ ۱۰ کا بقیہ

وہ کسی دوسرے قوانین سے ممکن نہیں اور موجودہ زمانے میں بیشتر قوانین پر بلاواسطہ قرآنی قوانین کی چھاپ ملتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ عورت کے حقوق کے علم بردار اور آزادیٔ نسواں کے پرستار اسلامی قوانین پر غور فرمائیں جو کہ ابدی مکمل اور عورت کی فطرت کے عین مطابق ہیں اور عورت کو اس کا حقیقی مقام عطا کرتے ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ سے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک منصفانہ معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

جلال آباد شہر فتح کے قریب

عبدالحمید عباسی

جلال آباد شہر فتح کے بالکل قریب ہے۔ مجاہدین کی خاصی تعداد نے جلال آباد کے اطراف میں مورچے سنبھال لئے ہیں۔ جلال آباد شہر پر حملہ ایک تاریخی حملہ ہوگا اور اس کی فتح پورے افغانستان کی فتح ہوگی۔ جلال آباد کو فتح کرنے کے لئے مجاہدین نے ایک بڑے حملے کا پروگرام اسی وقت ترتیب دے دیا تھا جب روسی افواج کا انخلا مکمل ہو رہا تھا چنانچہ مجاہدین نے اسی بڑے حملہ کی تمہید کے طور پر اڑھائی ماہ قبل ہی طورخم کی افغان سرحدی چوکی پر قبضہ کرتے ہوئے کسٹم چیک پوسٹ، سرحد داری اور بٹی کوٹ کا صفایا بھی کر دیا تھا ان کے قبضے میں آنے کے بعد مجاہدین کو آگے بڑھنے کا راستہ مل گیا اور اب مجاہدین کا نشانہ غازی آباد فارم کے اطراف میں بلند چوٹیوں پر پھیلی ہوئی دشمن کی پوسٹیں تھیں۔ مجاہدین قبضہ سے قریب تر ہوتے گئے اور فروری کے آخری عشرے میں غازی آباد فارم بھی مجاہدین کے قبضے میں آگیا۔

غازی آباد فارم سے کچھ فاصلے پر سابق افغان غدار حکمران ظاہر شاہ کا آبائی قصبہ تھا جس کا نام غدار حکمران کے باپ کے نام سے منسوب ہے یعنی اس قصبہ کا نام نادر شاہ ہے۔ مجاہدین نے ایک زوردار حملہ کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔۔۔ غازی آباد فارم کی فتح کے بعد اب مجاہدین کا ہدف جلال آباد کی محفوظ ترین اور مضبوط ترین فوجی چھاؤنی ثمرخیل تھی لیکن اس پر حملے سے قبل غازی آباد سے چھ سات کلومیٹر آگے جلال آباد طورخم ہائی وے پر سڑک کی بائیں جانب دشمن کی ایک اور زیر زمین چھاؤنی تھی جو نظم خاص کے نام سے مشہور ہے اس پر قبضہ ضروری تھا لیکن اس زیر زمین چھاؤنی

نظم خاص پر حملے میں دشواری یہ بھی کہ ثمرخیل چھاؤنی اور نظم خاص کا آپس میں مضبوط رابطہ تھا۔ جوں ہی مجاہدین کارروائی شروع کرتے ثمرخیل چھاؤنی سے کمک پہنچ جاتی چنانچہ مجاہدین نے انتہائی حکمت عملی سے نظم خاص کی دائیں جانب سے آگے بڑھنا شروع کیا اور چند کلومیٹر آگے جا کر سڑک کی بائیں جانب پہاڑی سلسلے میں مورچے سنبھال لئے اس طرح دشمن کا زمینی راستہ کٹ گیا۔ مجاہدین کے یہ مورچے جلال آباد ائرپورٹ، ثمرخیل چھاؤنی اور نظم خاص چھاؤنی کے درمیان میں تھے۔ مجاہدین کی اس مورچہ بندی کے بعد نظم خاص کا عقب غیر محفوظ ہو چکا تھا اس لئے اس پر حملہ کرنا قدرے آسان ہو گیا تھا۔ مجاہدین کے چند دستے جلال آباد ائرپورٹ اور ثمرخیل چھاؤنی کو الجھانے میں مصروف ہو گئے جب کہ دوسری طرف سے ۸ مارچ کو مجاہدین نے نظم خاص پر ہلہ بول دیا۔ صبح کی نماز کے بعد حملے کا آغاز ہوا ظہر کی نماز مجاہدین نے نظم خاص چھاؤنی میں ادا کی شکرانے کے نوافل پڑھے۔ جاں فروشانِ اسلام کا بڑھتا ہوا طوفان "نظم خاص" پر نہ رکا بلکہ بڑھتا چلا گیا اس لئے کہ ان کا اصل ہدف ثمرخیل چھاؤنی تھی۔ ثمرخیل چھاؤنی زیادہ اہمیت کی حامل اس لئے ہے کہ جلال آباد شہر کی حفاظت کیلئے یہ چھاؤنی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اس چھاؤنی کی مزید اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ روسی افواج کے انخلا سے قبل اس چھاؤنی میں چھ ہزار روسی فوجی موجود تھے ان کے علاوہ ۸ ہزار افغانی فوج بھی کمانڈر نجیب کی کمان یہاں موجود ہے چنانچہ ۸ مارچ بروز بدھ بعد نماز عصر ثمرخیل چھاؤنی پر مجاہدین کے حملے کا آغاز ہوا اگرچہ حملہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی تاہم حملہ پوری قوت سے کیا گیا۔ ساری رات جنگ جاری رہی۔ مجاہدین جنگ کرتے ہوئے چھاؤنی کے اندر گھس گئے اور چن چن کر دشمن کے مورچوں کا صفایا کیا۔ مجاہدین نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ حق کی ... سینے چھلنی ہو کر مجاہدین زمین پر گر رہے تھے ٹانگیں اور جسم کے دوسرے اعضا بارود سے اڑ رہے تھے لیکن اس کے باوجود حملے کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی۔ صبح کی نماز سے متصل بعد مجاہدین نے آخری مورچہ فتح کرنے کے بعد چھاؤنی کے مکمل فتح ہونے کا اعلان کیا۔ ثمرخیل چھاؤنی کی فتح کی اہمیت کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس کے وجود کی اہمیت کو جانتے ہیں جن کو معلوم ہے کہ جلال آباد شہر کے لئے یہ چھاؤنی حفاظتی حصار کے مترادف تھی۔ چھاؤنی فتح ہونے کے بعد بے بہا مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھ لگا لیکن ایثار قربانی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جس کی نظیر نہیں ملتی یہ مال غنیمت جس میں سب مجاہدین کا حق تھا سب مجاہدین نے اتفاقی طور پر اپنی عبوری اسلامی حکومت کے حوالے کر دیا۔ غنیمت میں ۵ ٹینکوں کے علاوہ چار سو سے زائد فوجی گاڑیاں بھی شامل ہیں۔ ثمرخیل چھاؤنی کی فتح میں ۲۸ کے قریب مجاہدین شہید ہوئے۔

جلال آباد شہر سے باہر تقریباً تمام چھاؤنیوں اور پوسٹوں کا صفایا کرنے کے بعد اب جلال آباد شہر کا نمبر ہے جس کے لئے مجاہدین انتہائی محتاط طریقہ کار اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ جلال آباد شہر پر ایک بڑے حملے کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کر رہے ہیں لیکن بذات خود اسے مؤخر بھی کرتے جا رہے ہیں جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے سے قبل جلال آباد کی آبادی ۵ ہزار کے لگ بھگ تھی بعد میں روسی طیاروں نے جب جلال آباد کے اطراف میں اندھا دھند بمباری شروع کی تو اطراف کے رہنے والے لوگ یا تو پاکستان ہجرت کر گئے یا پھر شہر میں منتقل ہو گئے جس کی وجہ سے اب شہر کی آبادی اڑھائی سے تین لاکھ تک نفوس پر مشتمل ہے مجاہدین نہیں چاہتے کہ جلال آباد شہر میں قتل عام ہو اور پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے قتل عام میں بہت سے بے گناہ جن میں عورتیں اور بچے بھی ہوں گے مارے جائیں گے اگرچہ شرعاً اس کا جواز ہے لیکن پھر بھی مجاہدین یہ چاہتے ہیں کہ جلال آباد خود بخود تسلیم ہو جائے اپنے اس پروگرام میں بھی مجاہدین بڑی حد تک کامیاب ہیں وہ اس طرح کہ مجاہدین کے نمائندے جلال آباد شہر میں موجود ہیں جو عوام کو حکومت کے خلاف اکسا رہے ہیں اور ان کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ شہر فتح ہونے کے بعد تمہاری جان و مال محفوظ ہوں گے چنانچہ فوجی افسروں فضائیہ کے پائلٹوں سمیت بہت سے افراد نے مجاہدین سے رابطہ قائم کیا ہوا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افغان فضائیہ میں مجاہدین کے حامی پائلٹوں کی خاصی تعداد موجود ہے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل مجاہدین کے بعض کمانڈروں سے رابطہ کر کے بمعہ طیاروں مجاہدین سے آملنے کی اجازت طلب کی لیکن مجاہدین کا کہنا ہے کہ ابھی ہمارے پاس کوئی ایسا ایئرپورٹ نہیں ہے کہ جہاں سے ہم ان طیاروں کی حکومت کے خلاف استعمال کر سکیں اس لئے فی الحال آپ لوگ وہیں رہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلال آباد فتح ہونے کے بعد جب ایئرپورٹ مجاہدین کے ہاتھ آجائے گا تو وہ فضائی قوت بھی استعمال کریں گے۔

اس وقت مجاہدین جلال آباد ائرپورٹ سے انتہائی قریب ہیں ائرپورٹ پر کوئی چیز متحرک نظر آتی ہے تو باسانی اسے کلاشنکوف سے نشانہ بناتے ہیں چنانچہ مجاہدین نے جلال آباد کے چاروں اطراف اسپیکر لگائے ہوئے ہیں جس پر ہر وقت اعلان کرتے ہیں کہ اگر تم لوگ خود ہتھیار ڈال دو تو تمہارے لئے امان ہے کیونکہ قندوز کا نقشہ مجاہدین کے سامنے ہے کہ جب مجاہدین نے اسے فتح کیا تو تین دن تک مسلسل بمباری ہوتی رہی۔ پورا شہر ملبے کا ڈھیر بن گیا چھ سو ساٹھ نفوس شہید ہو گئے بہرحال مجاہدین بڑے حملے سے قبل اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ عوام کو باہر منتقل کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں مجاہدین ہزاروں کی تعداد میں عوام کو باہر منتقل کر چکے

ہیں لیکن جب افغان انتظامیہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کسی بھی شخص کے شہر سے باہر جانے پر پابندی لگا دی لوگ خاد کے ایجنٹوں کو فی کس ایک ہزار روپیہ رشوت دے کر باہر منتقل ہو رہے ہیں۔

جلال آباد ایئرپورٹ مجاہدین کے حملے کی زد میں ہے اس لئے اسے اب استعمال میں نہیں لایا جا رہا بلکہ ہیلی کاپٹر اندرون شہر اترتے ہیں۔ دو ہیلی کاپٹر ائرپورٹ پر کھڑے ہوئے جو شاید کسی میزائل کا نشانہ بن چکے ہیں ایئرپورٹ سے متصل بارودی سرنگوں کا جال بچھا ہوا ہے جسے کراس کرتے ہوئے مجاہدین کے کئی ٹینک تباہ ہونے کے ساتھ کئی مجاہدین بھی شہید ہو چکے ہیں تاہم مجاہدین نے ائرپورٹ کے اس حصہ پر بھی قبضہ کر لیا ہے جس کے باہر بارودی سرنگیں نہیں ہیں اس راستے سے مجاہدین ایرپورٹ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

کابل اور جلال آباد کو ملانے والی سڑک کو بھی مجاہدین نے سروبی کے مقام پر کاٹ دیا ہے جس کی وجہ سے جلال آباد اور کابل کا زمینی راستہ منقطع ہے تازہ اطلاعات کے مطابق پندرہ دیو ہیکل ہیلی کاپٹر روزانہ کابل سے جلال آباد کی طرف پرواز کرتے رہتے ہیں حکومت کا پورا زور اس وقت کابل کے بعد جلال آباد کی طرف ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ افغان حکومت کی پوری قوت سمٹ کر ان دو شہروں یعنی کابل اور جلال آباد بن گئی ہے۔ حکومت جانتی ہے کہ جلال آباد فتح ہونے کے بعد کابل ایک دن بھی نہیں رہ سکتا اس لئے جلال آباد پر اس کی خصوصی توجہ ہے خدا کرے جب یہ مضمون آپ کی نظروں سے گزر رہا ہو جلال آباد فتح ہو چکا ہو۔

مت بھول

۱۔ اپنی موت کو
۲۔ خدا کو
۳۔ دوسرے کے قرض کو
۴۔ اپنے وعدے کو
۵۔ ماں باپ کی وصیت کو
۶۔ زندگی کے صحیح مقصد کو
۷۔ عزیز و اقارب اور صلۂ رحمی کو

رضوان کشیدہ کاری

Hamid